Vol. 6 No.1 2022

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

انتظار حسین کی غیر افسانوی نثر میں مذہبی اور صوفیانہ رنگ

۱۔قربان علی ۲۔ڈاکٹر محمد امجد عابد ۳۔ ڈاکٹر صدف نقوی

۱۔لیکچرر، ڈیپارٹمنٹ آف اُردو، گورنمنٹ اسلامیہ ڈگری کالج بدو ملہی، نارووال

۲۔لیکچرر، ڈیپارٹمنٹ آف اُردو، یونیورسٹی آف ایجوکیشن، لاہور

۳۔اسسٹنٹ پروفیسر' شعبہ اردو گورنمنٹ کالج فار وومن یونیورسٹی' فیصل آباد

Abstract:

Intizar Hussain was an outstanding literary figure in Urdu Literature having various characteristics and was recognized in fiction and non-fiction writings. His works echo past and through it he, primarily, traces civilization to dig out the buried Islamic culture. He was emotionally attached with religious festivals and, hence, most of his writings revolve around them. Highly deep reverence for saints brought him closer to mysticism. This article reviews the non-fictional works of Intizar Hussain and reflects that religious and mystic colors are dominant in his authorships.

Key words: Religious, Mysticism, Intizar Hussain, Non-fiction prose, Islamic festival, Civilization, Traditions, Shrines, Saints.

کلیدی الفاظ: مذہبی، صوفیانہ، انتظار حسین، غیر افسانوی نثر، اسلامی تہوار، تہذیب، روایات، مزارات، اولیاء

انتظار حسین اردو کے ایک کہنہ مشق ادیب تھے۔انھوں نے افسانوی اور غیر افسانوی نثر کے میدان میں اپنی حیثیت کا لوہا منوایا ہے۔ان کی تخلیق کا افسانوی سفر ناولوں، افسانوں اور ڈراموں پر محیط ہے۔ جب کہ غیر افسانوی نثر میں آپ بیتیاں، سوانح عمریاں، سفر نامے، کالم نگاری، تاریخ نگاری، ترجمہ نگاری، خطوط نگاری، تنقید، تدوین اور انشائیہ نگاری شامل ہیں۔انتظار حسین کا جنم ہندوستان کے ایک قصبہ ڈبائی میں ہوا۔ان کا لڑکپن ڈبائی کی گلیوں میں لہو و لعب سے گزرا۔ میرٹھ کالج سے انھوں نے ایم۔اے اُردو کی ڈگری حاصل کی پھر اسی کالج سے ان کے تخلیقی سفر کا آغاز ہوا۔

تقسیم ہند کے دوران وہ پاکستان تشریف لائے اور لاہور میں سکونت پذیر ہوئے۔انتظار حسین کا تعلق ایک مذہبی گھرانے سے تھا۔ان کے والد صوم وصلوۃ کے پابند تھے اور گھر میں بھی اس کا پرچار کرتے تھے۔اسی وجہ سے انتظار حسین کی سرشت میں مذہبی رنگ اوائل عمری ہی میں سرایت کر گیا تھا۔ بعد ازاں ان کی غیر افسانوی نثر میں یہ رنگ مرتسم ہو گیا۔انتظار حسین کی تحریروں کا خاصہ یہ ہے کہ ان میں ماضی کی بازگشت نظر آتی ہے۔ماضی سے دراصل وہ اس تہذیب کو کھوجتے ہیں جس میں ایک پوری اسلامی تہذیب دفن ہے۔اس تہذیب کے کچھ اثرات تو اب بھی اسلامی تہواروں کی صورت میں موجود ہیں مگر زیادہ تر یہ تہذیب زوال آمادہ ہو چکی ہے۔انتظار حسین کی غیر افسانوی نثر کا جائزہ لیا جائے تو یہ بات منکشف ہوتی ہے کہ ان کی تحریریں مذہبی اور صوفیانہ رنگ سے اَٹی پڑی ہیں۔ معراج شریف، شب برات، عیدین، تیج تہوار، حضرت غوث الاعظمؒ کی گیارہویں شریف، حضرت نظام الدین اولیاؒ، خواجہ بختیار کاکیؒ، حضرت شیخ نصیر الدین

Vol. 6 No.1 2022
ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

محمود دہلویؒ، حضرت شاہ ترکمانؒ، دین علی شاہؒ، میر احمدؒ، بابا ابو بکر طوسیؒ، شیخ نور الدینؒ، سید حسن رسولؒ، میر قطبیؒ، شاہ عبد النبیؒ اور سید عسکریؒ کا تذکرہ ان کی غیر افسانوی نثر میں مذہبی اور صوفیانہ رنگ کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ یوں تو ہر مذہب میں مختلف تہوار ہر سال آتے رہتے ہیں جنہیں بڑی دھوم دھام سے منایا جاتا ہے۔ مگر انتظار حسین کی مذہبی تہواروں سے جذباتی وابستگی اس قدر راسخ ہو چکی ہے کہ وہ اپنی تحریروں کی بساط ان پر ہی بچھاتے ہیں۔ شب برات کی روایت اور اس کے رنگ انہی کی زبانی مزہ دیتے ہیں۔ مثال ملاحظہ ہو:

> ''شب برات کے موقع پر منی سائز کے ناشپال اپنی بہار دکھاتے تھے۔انہیں ہم بہارکہتے تھے۔ اس بے ضرر آتش بازی سے بچوں کی عید ہو جاتی تھی اور شب برات رنگ و نور کا تہوار بن جاتا تھا۔ بھلا پوچھیے یہ رنگ و نور کی بہار کس طرف سے غیر اسلامی تھی اور کس حساب سے لہو و لعب میں شمار ہوئی اور ہاں شب برأت کا حلوہ، حلوے اور روٹی پر مردوں کی فاتحہ مگر تخصیص کے ساتھ حلوہ کیوں۔ ہماری ایا اماں نے بتایا کہ جنگ اُحد میں حضور ﷺ کا مبارک دانت شہید ہو گیا تھا تو بی بی فاطمہؓ نے ان کے لیے حلوہ پکایا تھا۔ سو یوں تھا کہ شب برات کا حلوہ تو سنت ہے۔ سو اب تک کس ذوق و شوق سے حسب مقدور اس مبارک دن حلوے تیار کیے جاتے ہیں۔''۱

مسلمانوں کے گنے چنے تہوار ہیں ان میں عیدین کی خوشی سب تہواروں سے بڑھ کر ہوتی ہے انتظار حسین کی عمر کا ایک حصہ چوں کہ ہندوستان میں بسر ہوا ہے اور وہاں ہند اسلامی تہذیب تو تہواروں کا جمگھٹا بنی ہوئی تھی۔ لہذا یہ کیسے ممکن ہو سکتا تھا کہ انتظار حسین ان تہواروں سے دور رہتے۔ ان کی تحریروں میں یوں تو ہندی اور انگریزی تہواروں کی جھلک بھی نظر آتی ہے مگر جہاں اسلامی تہواروں کی بات آئے تو انتظار حسین کا خامہ جزئیات کی اڑان بھرنے لگتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ ادیب بھی اسی آب و گل کا بنا ہوتا ہے جس دنیا میں وہ اقامت پذیر ہوتا ہے۔ لٰہذا وہ اپنے گرد و نواح سے کیوں کر کٹ سکتا ہے۔ انتظار حسین ہندوستان میں تہواروں کی خوشی کو اس لیے بھی اہمیت دیتے ہیں کہ ان کا تعلق قلعہ معلیٰ سے جڑا ہوتا تھا۔ اگرچہ موجودہ دور میں بھی تیوہار وہی ہیں لیکن ان کا ذہن ماضی کی مخلوق میں اٹکا ہوا ہے۔ عید الفطر کے موقع پر ہر خاص و عام کا جوش و خروش دیدنی ہوتا ہے۔ انتظار حسین اس کی ایک جھلک کا ماضی سے یوں حوالہ دیتے ہیں:

> ''لیجیے شتر سوار جو چاندنی خبر لینے گیا تھا مبارک خیر لے کر واپس آ گیا ہے۔ اب یہ رات چاند رات ہے۔ توپیں داغنے لگیں۔ نوبت بجنے لگی۔ ۲۹ کا چاند ہوا تو دلی والوں کے حساب سے یہ جوان عید ہوئی۔ ۳۰ کا چاند ہوا تو بوڑھی عید کہلائے گی۔ بوڑھی ہو یا جوان عید بہرحال عید ہے۔ بوڑھے جوان بچے بڑے کوئی پالکی میں کوئی نالکی میں، کوئی تام جھام میں کوئی رتھ میں، رخ سب کا عید گاہ کی طرف ہے۔ بادشاہ سلامت بھی ہاتھی پر سوار آن پہنچنے۔ نماز پڑھی گئی۔ دھائیں دھائیں سلامی کی توپیں چلنے لگیں۔ یہ خوشی کا تیوہار تھا۔''۲

انتظار حسین شیعہ مسلک سے تعلق رکھتے تھے۔ مگر ان کا دل ہر مسلک کے تعصب سے پاک تھا۔ اسلامی کیلنڈر میں جب محرم کا مہینہ آتا تو ہر دل سوگوار ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر شیعہ مسلک کی بات کی جائے تو ان کے ہاں دلدل کا جلوس اور تعزیوں کا جلوس اہمیت کا حامل ہوتا ہے۔ امام مظلوم کی خدمت میں سلام پیش کیا جاتا ہے۔ عزا خانوں میں مرثیوں اور مجالس کا اہتمام بکثرت جاری رہتا۔ انتظار حسین کی بستی میں محرم کی آمد کے ساتھ ہی امام باڑوں میں عزاداروں کے قافلے جوق در جوق آنے لگتے تھے۔ اس کے بعد ۹ محرم الحرام کو جب بڑا

Vol. 6 No.1 2022

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

علم نکلتا تو ہر طرف ماتم شروع ہو جاتا۔انتظار حسین کی تحریریں ان کے مسلک کے ہر تہوار کو اجاگر کرتی ہیں۔ان کی آپ بیتی جستجو کیا ہے؟ میں اس حوالے سے بیشتر مثالیں موجود ہیں۔ محرم کی ہر گھڑی سوگواروں کے غم میں اضافہ کرتی ہے۔انتظار حسین کی تحریروں کا مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ وہ اپنے مسلک سے سچا رشتہ قائم کیے ہوئے تھے۔ محرم کے حوالے سے ان کے حافظے کی داد دینا پڑتی ہے کہ انھیں عمر کے آخری ایام تک وہ مجالس اور تقریبات نہیں بھولیں جو ان کے بچپن میں منعقد ہوئی تھیں۔اس حوالے سے ایک مثال یہاں ملاحظہ ہو۔

> ”لو یہ تو ڈبائی کے محرموں کی یاد تازہ ہو گئی۔ شام ہونے لگی ہے۔ محلہ کے لڑکے بالے گھروں سے نکل پڑے ہیں۔ کسی نے کالا کرتا پہن رکھا ہے۔ کسی نے سبز ، گلے میں تاشے، ہاتھوں میں چھوٹی چھوٹی قمچیاں، تاشا بجنے لگا ہے۔ یہ تاشا بج رہا ہے یا غم کی ہوا چل پڑی ہے۔ بس اس آواز کے ساتھ ساتھ گھر گھر خبر پہنچ گئی کہ محرم کا چاند ہو گیا چاند رات لگ گئی۔ بزرگوں کی سوگوار ٹولی نمودار ہوتی تھی۔“ ۳

مسلمانوں کے تہواروں میں ایک اہم تہوار عید میلاد النبی ﷺ بھی ہے جو ہر سال تزک واحتشام سے منایا جاتا ہے۔جو نہی ربیع الاول کا مہینہ شروع ہوتا ہے ہر دل خوشی سے جھوم جاتا ہے۔ملک کے ہر کونے میں محفل میلاد کا انعقاد کیا جاتا ہے جن میں عاشقانِ رسول ﷺ بڑھ چڑھ کر شریک ہوتے ہیں۔یہی نہیں بلکہ پورے مہینے نیاز بھی تقسیم ہوتی رہتی ہے اور مستزاد یہ کہ بارہ ربیع الاول کے دن جلوس نکلتے ہیں۔انتظار حسین کی غیر افسانوی نثر میں دیگر اسلامی تہواروں کے ساتھ عید میلاد النبی کا تذکرہ بھی نمایاں طور پر نظر آتا ہے۔ گریے کے موسم کے بعد جب ربیع الاول کا مہینہ آتا ہے تو ہر مسلک کے دن پھر جاتے ہیں۔انتظار حسین اسی تہوار کو رقم کرنے میں پھر ماضی میں زقند لگاتے ہیں۔اس کی وجہ شاید یہ بھی ہو سکتی ہے کہ حال ان کے ماضی سے میل کھاتا ہوا دکھائی نہیں دیتا۔وہ ماضی کی گمشدہ تہذیب سے ہی تہواروں کا سراڈھونڈتے ہیں۔ماضی کی ہر چیز ان کے دل میں ایک کانٹے کی مانند چبھتی رہتی ہے۔اور اسلامی تہوار تو اس زوال آمادہ تہذیب کی اہم اکائی ہیں۔لہٰذا وہ انھیں فراموش نہیں کر سکتے۔ڈبائی میں گزرے شب و روز ان کا قیمتی اثاثہ ہیں۔ہر سال جب مختلف تہوار آتے ہیں تو اُنھیں بستی کا خیال آنے لگتا ہے۔کیوں کہ اسلامی تہواروں کے ساتھ ان کی بستی کی یادیں جڑی ہوئی ہیں۔اس حوالے سے لکھتے ہیں:

> ”ربیع الاول کا مہینہ آ جاتا ہے اور بارہ وفات کی سواری آن پہنچتی ہے۔ مجالس کا موسم ختم، اب مولود شریف کا موسم شروع ہوتا ہے۔ ارے میلاد النبی □ تو اب کہنے لگے ہیں اور اس کے ساتھ میلاد شریف۔ ڈبائی میں ہم اس موسم کو بارہ وفات کے مبارک نام سے جانتے تھے اور محفل میلاد کا نام کسی ثقہ بزرگ کی زبان سے سننے میں آتا تھا۔ ہم سب مولود شریف کے نام سے ان مبارک محفلوں کو یاد کرتے تھے اور مجلس عزا اور مولود شریف میں کم از کم ایک چیز تو مشترک تھی۔ وہ تھا تبرک۔ اور ہم ایسے بچوں بالوں کو اس سے بڑھ کر اور کیا چاہیے تھا۔ آج مولود شریف میں علی گڑھ والے بسکٹ بٹتے ہیں، کل نان خطائیاں بٹیں گی۔ پرسوں بالو شاہیاں - ترسوں بدایوں کے پیڑے۔“ ۴

Vol. 6 No.1 2022

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

انتظار حسین اپنے مسلک کے ہر تہوار کو یکے بعد دیگرے بیان کرتے ہیں۔ مگر جب وہ کونڈوں کے تہوار کا تذکرہ کرتے ہیں تو ساتھ اس روایت کو بھی سامنے لاتے ہیں جو ان سے منسوب کی جاتی ہے۔ کونڈوں کے اس تہوار کا چلن پہلے شیعہ مسلک کے علاوہ دیگر مسالک میں بھی تھا مگر اب یہ اکثر مسالک میں موقوف ہو چکا ہے۔ صرف شیعہ مسلک اس روایت تہوار سے تعلق استوار کیے ہوئے ہے۔ مذکورہ تہوار کا تعلق امام جعفر صادقؒ سے وابستہ ہے۔ اس تہوار میں عموماً بچوں کی چاندی ہو جاتی ہے۔ حلوے اور پوری سے ان کی تواضع کی جاتی ہے۔ کونڈوں کی نیاز خاص طور پر رات کو تیار کی جاتی ہے لیکن جب سحری ہوتی ہے تو اس نیاز کے کھلانے کا آغاز کر دیا جاتا ہے۔ گھر کی بڑی بوڑھیاں ساری رات اسی عمل میں گزار دیتی ہیں۔ انتظار حسین کونڈوں کی اس نیاز کا تذکرہ کرنے میں بھی جزئیات سے کام لیتے ہیں۔ شاید اس کی وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ وہ اس کے ذریعے معدوم ہوتے ہوئے تہوار کو زندہ کرنا چاہتے ہوں۔ کیوں کہ اگر اس تہوار کا ذکر ڈھکے چھپے لفظوں میں کیا جاتا تو قارئین اس کی روایت سے نا آشنا ہو جاتے۔ انتظار حسین اس تہوار کی روایت کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''شب برات سے پہلے بیچ ماہ رجب میں یہ کونڈوں کا شور کیسا ہے اور یہ کس خوشی میں کونڈوں کی نیاز ہو رہی ہے اور کس اہتمام سے ہفتہ ڈیڑھ ہفتہ پہلے سے ہمارے گھر میں اس کی تیاری شروع ہو جاتی تھی۔ وہ بڑا دلان جس میں برابر برابر دو چوکیاں جوڑ کر ان پر سفید چادر بچھائی جاتی تھی۔ اس فرش کی پہلے لپائی ہوتی تھی پھر در ودیوار کو پوتا جاتا تھا۔ پھر ۲۱ رجب کو صبح سے لے کر شام تک برتنوں کی دھلائی منجھائی ہوتی رہتی تھی۔ حضرت امام جعفر صادقؒ کے نام کی نیاز۔ مگر کس خوشی میں کچھ پتہ نہیں۔ کوئی کہانی تھی کہ کسی بڑھیا نے امام سے اپنی مفلسی کا رونا رویا۔ انھوں نے فرمایا کہ پوریاں پکا کر فلاں لکڑ ہارے کی کہانی سنو اور سناؤ اور پھر نیاز دلاؤ ، مراد پوری ہو گی۔'' ۵

انتظار حسین ان اسلامی تہواروں کو بھی موضوع بحث بناتے ہیں جو ایرانی تہذیب کا حصہ تصور ہوتے تھے مگر جونہی ان کا اطلاق ہندوستان میں ہوتا ہے تو یہاں کی تہذیب میں رنگینی پیدا ہو جاتی ہے اور اس تہذیب میں اصلیت کا گمان گزرتا ہے۔ ان تہواروں میں ایک تہوار نوروز کے نام سے مشہور ہے۔ اس تہوار کے بارے میں شیعہ مسلک کی رائے ہے کہ اس دن حضرت علیؑ پیدا ہوئے تھے۔ انتظار حسین کے خیال میں ہندوستان میں یہ تہوار مغلوں کے مرہون منت ہے۔ مغل بادشاہ جب ہندوستان میں وارد ہوئے تو اپنی تہذیب کو بھی ساتھ لے آئے۔ پہلے یہ تہوار امرا اور رؤسا تک محدود تھا مگر بعد ازاں عوام میں بھی منایا جانے لگا۔ نوروز کے تہوار کی اب پاکستان میں بھی جھلک موجود ہے۔ انتظار حسین اس تہوار کی روایت سے متعلق یوں بیان کرتے ہیں:

> ''مگر نوروز کا تیوہار تو شاید شہنشاہ ہمایوں ایران سے اپنے ساتھ لے کر آئے تھے۔ ویسے تو یہ ایران کا اپنا موسمی تیوہار تھا۔ مگر جب ایران کی تہذیب اسلامی رنگ میں رنگی گئی تو اس کی چوٹ نوروز پر بھی پڑی۔ عقیدہ یہ ٹھہرا کہ جس روز حضرت علیؑ کی ولادت ہوئی تھی وہ نو روز تھا اور جس روز خلافت ملی وہ بھی نوروز کا دن تھا اور ایران میں یہ تیوہار جیسے بھی منایا جاتا ہو لال قلعہ میں یہ اپنے رنگ سے منایا جاتا تھا۔''٦

انتظار حسین کی غیر افسانوی نثر میں حضرت غوث الاعظم کی گیارہویں شریف کا تذکرہ جا بجا پڑھنے کو ملتا ہے۔ کیوں کہ قلعہ معلیٰ میں نیاز کا سلسلہ عام تھا لیکن ان میں سب سے زیادہ شہرہ گیارہویں شریف کا ہوتا تھا۔ نیاز کا یہ سلسلہ قلعہ معلیٰ تک محدود نہ رہا بل کہ

Vol. 6 No.1 2022
ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

عام لوگ بھی گیارہویں شریف کو اولیت دیتے تھے اور اس سلسلے میں ہر مہینے نیاز بانٹتے تھے۔ لیکن قلعہ معلیٰ میں اس موقع پر آتش بازی کا سماں بھی ہوتا تھا۔ انتظار حسین اس حوالے سے یوں رقم طراز ہیں :

''گیارہویں شریف پر آتش بازی کی دھوم دھام ہوئی۔ دسترخوان بچھا۔ حضرت غوث الاعظم کی نیاز ہوئی۔ مٹھائی تقسیم ہوئی۔'' ۷

انتظار حسین نے دو سفر نامے ''زمین اور فلک اور'' اور ''نئے شہر پرانی بستیاں'' قلمبند کیے ہیں۔ اول الذکر سفر نامہ ان کی ہند یاترا ہے جب کہ دوسرا سفر نامہ لندن، ماسکو، ایران، نیپال اور ہندوستان کے سفر سے متعلق ہے۔ ان دونوں سفر ناموں میں انھوں نے ہندوستان اور ایران میں دفن شدہ اولیا اللہ کے مزارات کی زیارت سے متعلق معلومات رقم کی ہیں۔ ہندوستان کا جب بھی انھوں نے سفر کیا اولیاء اللہ کی درگاہ پر حاضری ضرور دی جس سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ وہ صوفیا کرام سے کس قدر رغبت رکھتے تھے۔ ہندوستان میں انھی صوفیائے کرام کی بدولت لاکھوں لوگ مشرف بہ اسلام ہوئے۔ انتظار حسین دہلی شہر میں قیام کے دوران حضرت نظام الدین اولیا کی درگاہ پر گئے تو وہاں کے ماحول سے بہت متاثر ہوئے۔ انتظار حسین چوں کہ پہلے ہی اسلامی تہواروں کو اہم گردانتے تھے مگر اولیا کرام کے مزاروں پر حاضری نے ان کی عقیدت میں مزید اضافہ کر دیا اور یہ عقیدت انھیں تصوف کے قریب لے گئی۔ جس طرح تصوف کے شواہد ان کے افسانوں میں موجود ہیں، غیر افسانوی نثر بھی ان عناصر سے مزین نظر آتی ہے۔

انتظار حسین افسانوی اور غیر افسانوی ہر دو اصناف کی تخلیقات میں تصوف کے عناصر بکھرے نظر آتے ہیں۔ فتح محمد ملک اس حوالے سے اظہار خیال کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

''انتظار حسین نے تصوف کے تمام مسالک کا بھی گہرا مطالعہ کیا تھا اور جہاں سے حکمت و دانش کا جو گُر نظر آیا تھا اس سے بصیرت اندوز ہوتے رہے۔ ان کے سفرناموں کو پڑھتے ہوئے مجھے نقشبندی مسلک تصوف میں خلوت در انجمن کا تصور بے اختیار یاد آیا ہے۔ '' ۸

انتظار حسین مرقع نگاری میں مہارت تامہ رکھتے تھے۔ لیکن جب ذکر نظام الدین اولیا کے عرس کا ہو تو ان کا قلم پھریری لینے لگتا تھا۔ اس سلسلے میں وہ ہر منظر کی بعینہٖ تصویر کھینچ دیتے ہیں جس سے قارئین ان کی عقیدت کے قائل ہو جاتے ہیں۔ حضرت نظام الدین اولیا کے عرس کا بیان انھی کے لفظوں میں ملاحظہ ہو :

''رات گئے ڈیرے پر واپس ہوتے ہوئے میں نے سوچا کہ افسوس ہے مجھ پر کہ ادیبوں سے ملتا پھرتا ہوں اور دلی کی خلقت سے کہ ان شبوں میں محبوب الٰہی کی درگاہ پر اُمڈی ہوئی ہے کنی کاٹ رہا ہوں اور یہ کہ محبوب الٰہی تک رسائی محض فاتحہ پڑھنے کو اور پھول چڑھانے سے تو نہیں ہو جاتی وہ تو اسی خلقت کے وسیلہ سے ہوتی ہے سوہم یار ڈیرے پر جاتے جاتے درگاہ کی طرف ہو لیے۔ واہ کیا عالم تھا۔ میں تو افتتاحی تقریب دیکھ کر بجھ سا گیا تھا کہ عرس اور اتنا ٹھنڈا۔ اب احساس ہوا کہ دلی کے سیلانی تو بھگتی رات کے ساتھ پھریری لیتے ہیں اور عقیدتمند بارہ کے گجر کے بعد جاگتے ہیں۔ عقیدتمندوں کا اژدہام تھا۔ مجمع خاص و عام تھا۔ گل فروشوں کی دکان پر گلاب کی ڈھیریاں لگی تھیں۔ ایک مہک گلاب کی، ایک مہک اگر کی، سب سے بڑھ کر مہک عقیدت کی۔'' ۹

Vol. 6 No.1 2022
ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

انتظار حسین کا سفر شوق جس دید کے لیے بے قرار ہوتا تھا۔ وہ صوفیا کرام کے مقبروں اور درگاہ کی زیارت قرار دیا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ سفر ایران کے دوران جب وہ ایران کے بازاروں کا رُخ کرتے ہیں تو ان بزرگوں کے مقبروں کی طرف بھی قدم بڑھاتے ہیں جن کے لیے ان کے دل میں ایک انس موجود تھا۔ ایران میں شاہ عبدالعظیم اور سحر بانو کا مقبرہ ان کی عقیدت کی تشنگی کو رفع کرتا ہے۔ شاہ عبد العظیم ایران کے ایک مشہور بزرگ ہیں جن کے مزار پر ہر وقت تانتا بندھا رہتا ہے۔ انتظار حسین جب اس بزرگ کا تذکرہ کرتے ہیں تو ساتھ ہی اس کا شجرہ نسب بھی بیان کر دیتے ہیں۔ اس حوالے سے وہ لکھتے ہیں:

"یہ شاہ عبد العظیم کا مقبرہ تھا۔ شاہ عبد العظیم ابن عبد اللہ ابن علی ابن حسن ابن علی المرتضی۔ یہ اس بزرگ کا شجرہ نسب ہے۔ حضرت امام موسیٰ کاظمؒ کے زمانے میں پیدا ہوئے۔مزار شاندار ہے اور پُررونق۔ دیکھا کہ زائرین قطار اندر قطار آتے ہیں، گریہ کرتے ہیں دعائیں مانگتے اور چلے جاتے ہیں۔" ۱۰

انتظار حسین اپنی تحریروں میں نہ صرف اولیااللہ کے مقبروں اور عرس کی تقریبات کا تذکرہ کرتے ہیں بل کہ ان بزرگوں کی کرامات کو بھی نمایاں جگہ دیتے تھے۔ دہلی شہر کو بائیں خواجہ کی چوکھٹ قرار دیا جاتا ہے۔ یہاں ہر قماش کا بزرگ ڈیرے ڈال لیتا تھا۔ لیکن جب کوئی لاچار شخص ان کے پاس جاتا تھا تو من کی مراد پاتا تھا۔ دہلی کے اولیا کرام میں ایک اہم نام شاہ بولا بھی ہے جو عموماً بڑ کے درخت کے نیچے پڑے رہتے تھے لیکن جب کوئی پاس سے گزرتا تو اسے بڑولیاں مارتے رہتے تھے۔ انتظار حسین نے جب دہلی شہر کی تاریخ رقم کی تو اس بزرگ کا ذکر کرنا بھی لازم سمجھا۔ انھوں نے اس بزرگ کی کرامات کے بارے میں جب پڑھا تو اسے اپنی کتاب میں رقم کر دیا۔ لکھتے ہیں:

"ایک دفعہ کوئی شہزادہ بیمار پڑا۔ حکیموں نے جواب دے دیا۔ تب شہزادے کو شاہ بولا کے پاس لایا گیا۔ شاہ بولا نے پیالے میں تیل بھرا، شہزادے سے کہا۔ پیالے میں اپنی صورت دیکھ۔ شہزادے نے پیالے میں اپنی صورت دیکھی۔ پھر شاہ بولا نے تیل غٹ غٹ پیا اور بڑ کی چھاؤں میں لمبے لیٹ گئے۔ شہزادہ اچھا ہو گیا اور شاہ بولا اللہ کو پیارے ہو گئے۔" ۱۱

اولیاء کرام کی عقیدت جب لوگوں میں سرایت کر جاتی ہے تو وہ اپنی منتوں مرادوں کے اظہار کے لیے ان بزرگوں کے مزاروں کا رخ کرتے ہیں۔ اور جب کسی کی منت پوری ہو جاتی ہے تو اس نے اپنے من میں جو چڑھاوا سوچا ہوتا ہے اسے ہر صورت چڑھاتا ہے۔ انتظار حسین کے نزدیک دہلی کے اولیااللہ کے مزار اس مثال کی عملی تصویر پیش کرتے ہیں۔ وہ ابو بکر طوسیؒ کے مزار سے متصل اس روایت کو فراموش نہیں کرتے جس کے بعد وہ ہنڈے والے کہلائے جاتے ہیں۔ علاوہ ازیں دہلی کے بزرگوں کی وجہ شہرت میں عقیدت مندوں کا بڑا عمل دخل ہوتا تھا۔ کیوں کہ جب کسی ایک کی منت پوری ہوتی تو وہ دوسرے کے سامنے اپنا حال بیان کرتا۔ الغرض اسی طرح اس بزرگ کے عقیدت مندوں کی تعداد کئی گنا ہو جاتی تھی۔ انتظار حسین بابا ابو بکر طوسیؒ سے متعلق ایک روایت یوں درج کرتے ہیں:

"اور ایک تھے بابا ابوبکر طوسیؒ جو آگے چل کر بابا ہنڈے والے کہلائے۔ اس وجہ سے کہ کسی بزرگ نے ان کے مزار پر آ کر منت مانی کہ اگر میری مراد برآئی تو آپؒ کے مزار پر چاندی کا مٹکا چڑھاؤں گا۔ مراد پوری ہوئی۔ اس نے چاندی کا مٹکا چڑھایا۔ لیجیے عقیدتمندوں کا تانتا بندھ گیا۔ دعا کر رہے ہیں اور مٹکا چڑھانے کی منت مان رہے ہیں۔ مٹکا

Vol. 6 No.1 2022
ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

مزار پر چڑھایا گیا۔ دیکھتے دیکھتے مزار کے سامنے ان گنت مٹکے نظر آنے لگے۔ بس اسے ہنڈے والی درگاہ کا نام دیا گیا۔''۱۲

انتظار حسین نے جہاں اپنی تحریروں میں دہلی کے پیروں فقیروں کا ذکر کیا ہے وہاں وہ ان کی کرامات بھی بیان کرتے ہیں۔ جو لوگوں کے مسائل کا حل صرف ایک نقطے میں بیان کر دیتی تھیں۔ایسی بیبیاں کسی عالی شان عمارت میں سکونت پذیر نہ تھیں۔ بل کہ انھیں جو ٹھکانہ مل جاتا اسی جگہ پڑی رہتیں۔ تصوف میں صوفیا کرام اپنی ہر خواہش کو ختم کر دیتے ہیں ان کا مقصد صرف عرفان ذات ہوتا ہے۔ ایک سالک دنیاوی حرص اور طمع کو چھوڑ کر ہی اپنی منزل کو پاتے ہیں۔ دہلی شہر میں بھی ایسی ہی ایک اللہ والی موجود تھی جس کا نام بائی جی تھا۔ ہر وقت وظیفہ کرنے میں مشغول رہتی۔ جب لوگ اس کے پاس جاتے تو کامیاب لوٹتے تھے۔انتظار حسین ان کے بارے میں یوں بیان کرتے ہیں:

''ایک تھیں بائی جی۔ نام جو کچھ بھی ہو، لوگوں میں وہ اسی نام سے جانی جاتی تھیں۔ شہر سے باہر ایک چھپر تلے پڑی رہتی تھیں۔ انا اعطینک الکوثر کا ورد کرتی رہتیں۔منتوں مرادوں والے جوق در جوق ان کے پاس پہنچتے۔ جواب میں وہ یہ کرتیں کہ مراد مانگنے والا جو مال لے کر حاضر ہوتا اس میں سے سترہ کوڑیاں الگ کر کے زمین پہ رکھتیں۔ سترہ دفعہ رکھتیں، ہر دفعہ انا اعطینا پڑھتیں۔ پھر جو منہ میں آتا سائل کو کہہ دیتیں۔ سائل اسی مطلب جملہ سے مطلب نکال لیتا۔ اور خوش خوش گھر واپس آ جاتا۔'' ۱۳

انتظار حسین کا مطمع نظر صرف دہلی کے اولیا کرام تک محدود نہیں ہے۔ پاکستان میں بھی بزرگوں کے عُرسوں کی تقریبات میں شمولیت کے لیے وہ ہر وقت آمادہ رہتے تھے کیوں کہ ان کے دل میں صوفیا کرام سے محبت کا جو جذبہ موجود تھا اس کا اظہار تو ہر حال میں ہونا تھا۔ ہمارے ملک میں جب بابا فریدؒ کا عرس ہوتا ہے تو زائرین بہت بڑی تعداد میں ملک کے طول و عرض سے ملتان پہنچتے ہیں۔ اس دوران ملتان میں ایک جشن برپا ہوتا ہے اور انتظار حسین بھی ایک سچے عقیدت مند کے طور پر ملتان کی دھرتی پر تشریف لے جاتے ہیں۔ جشن کا ہر ایک منظر ان کی آنکھوں میں نقش ہو جاتا ہے اور اس کا برملا اظہار وہ ایک کالم کے ذریعے یوں کرتے ہیں:

''اس گہما گہمی میں جشن فرید بھی آ گیا۔ لاہور میں یہ جشن اخباری مضامین تک محدود رہا۔ ہم اس جشن کی خوشبو لیتے لیتے ملتان پہنچ گئے۔ وہاں قاسم باغ میں مجمع خاص و عام دیکھا۔ سروں کا سمندر امنڈتا دیکھا۔ اس جشن میں حضرت خواجہ غلام فرید کو خراج عقیدت پیش کیا جاتا تھا۔ ان کی کافیاں گائی جاتی تھیں۔ موسیقار دور و نزدیک سے آئے ہوئے تھے۔''۱۴

مجموعی اعتبار سے دیکھا جائے تو انتظار حسین کی غیر افسانوی نثر میں مذہبی اور صوفیانہ رنگ کی جو تصویریں جلوہ گر ہوتی ہیں وہ ان کی ذات میں موجود اس سچی محبت کا مظہر ہیں جو مذہب اور صوفیانہ رنگ کی متقاضی ہوتی ہیں۔ علاوہ ازیں انتظار حسین کا گھریلو ماحول بھی اس سلسلے میں سازگار ثابت ہوا۔ بچپن میں جو اسلامی اور صوفیانہ اثرات ان کی شخصیت پر جلوہ فگن ہوئے۔ بعد ازاں رفتہ رفتہ وہی ان کی تحریروں کی شناخت بن گیا۔ بات کو سمیٹتے ہوئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ انتظار حسین کی غیر افسانوی نثر میں مذہبی اور صوفیانہ رنگ جا بجا جلوہ گر نظر آتا ہے۔

Vol. 6 No.1 2022
ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

حوالہ جات:

۱۔انتظار حسین، جستجو کیا ہے؟،لاہور،سنگ میل پبلی کیشنز،۲۰۱۱ء، ص ۴۱

۲۔انتظار حسین،دلی تھا جس کا نام،لاہور،سنگ میل پبلی کیشنز،۲۰۰۳ء، ص ۷۵

۳۔انتظار حسین، جستجو کیا ہے، ص ۳۵

۴۔ایضاً، ص ۳۹۔۴۰

۵۔ایضاً، ص ۴۱۔۴۲

۶۔انتظار حسین،دلی تھا جس کا نام، ص ۴۶

۷۔انتظار حسین،دلی تھا جس کا نام، ص ۴۷

۸۔فتح محمد ملک،انتظار حسین کا خواب نامہ،لاہور،سنگ میل پبلی کیشنز،۲۰۱۶ء، ص ۱۱۵

۹۔انتظار حسین،زمین اور فلک اور،لاہور،سنگ میل پبلی کیشنز،۲۰۰۹ء، ص ۳۲

۱۰۔انتظار حسین، نئے شہر پرانی بستیاں،لاہور،سنگ میل پبلی کیشنز،۲۰۱۱ء، ص ۲۰۱

۱۱۔انتظار حسین،دلی تھا جس کا نام،لاہور،سنگ میل پبلی کیشنز،۲۰۰۳ء، ص ۱۰۱

۱۲۔ایضاً، ص ۱۰۳

۱۳۔ایضاً، ص ۱۰۴

۱۴۔انتظار حسین، قطرے میں دریا،لاہور،سنگ میل پبلی کیشنز،۲۰۱۰ء، ص ۳۵۔۳۶